وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ .[التوبۃ:۱۰۰]

مشاجراتِ صحابہؓ

اور اہل السنۃ والجماعۃ کا معتدل مسلک

از قلم:

حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی مدظلہم

سابق معین مدرس دارالعلوم دیوبند

ومہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، بہار، انڈیا

بزم شیخ الہند گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کتاب: مشاجراتِ صحابہؓ اور اہل السنۃ والجماعۃ کا معتدل مسلک

ازقلم: حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی مدظلہ

(مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، بہار، انڈیا)

ناشر: بزم شیخ الہند گوجرانوالہ۔ پاکستان

اشاعت: ربیع الاول ۱۴۴۴ھ/اکتوبر ۲۰۲۲ء

رابطہ: 0301-8264481

khurramszd2014@gmail.com

فہرست

کلماتِ تبریک: حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی مدظلہم	۵
حرفِ چند: حافظ خرم شہزاد	۶
۱۔ صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے، کسبی نہیں	۹
۲۔ تمام صحابہؓ قابلِ اتباع ہیں	۱۳
۳۔ صحابہؓ کی شناخت رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ہے، عمل سے نہیں!	۱۳
۴۔ عدالت وثقاہت کے لیے صحابیؓ ہونا کافی ہے	۱۵
۵۔ جو چیز صحابہؓ سے ثابت ہو وہ بدعت نہیں	۱۶
۶۔ نسبت صحابیت لازوال اور حسن خاتمہ کی ضامن ہے	۱۶
۷۔ جماعت سے باہر کا شخص امام کو لقمہ نہیں دے سکتا	۱۷
۸۔ صحابہؓ ہر قسم کے جرح وتنقید سے بالاتر ہیں۔ علماء امت کا اتفاق	۱۸
۹۔ صحابہؓ کے اختلافات میں بڑی حکمت الٰہی پوشیدہ ہے	۱۹
۱۰۔ ایک بڑا سبب تکمیلِ شریعت ہے	۲۰
۱۱۔ اختلاف اصول کا نہیں فروع کا اور وسعت عمل کا ہے	۲۱
۱۲۔ صحابہؓ کا اختلاف حق وناحق کا نہیں، ترجیح کا تھا	۲۱
۱۳۔ اختلافاتِ صحابہؓ کی تاویل کرنا، بہتر محتمل متعین کرنا واجب ہے	۲۳
۱۴۔ تاویل معلوم نہ ہو تو باتفاقِ اہل سنت توقف وکف لسان واجب	۲۴
۱۵۔ صحابہؓ سے بغض رکھنے والا خارج از اسلام ہے	۳۲

۱۶۔ صحابہؓ کے علمی اختلافات ۳۳

۱۷۔ سیاسی اختلافات اور مشاجرات ۳۴

۱۸۔ اختلافات صحابہؓ کی جماعت میں نہیں، مخلوط جماعت میں پیدا ہوئے! ۳۵

۱۹۔ صحابہؓ ایک دوسرے کے حق میں بے حد مخلص اور خیر خواہ تھے ۳۷

۲۰۔ تاریخی روایات کے ذریعہ کسی صحابیؓ کو مطعون کرنا درست نہیں ۳۸

۲۱۔ تاریخ اسلام کی کوئی مستند کتاب موجود نہیں ہے ۳۸

۲۲۔ صحابہؓ پر الزامات والی ایک روایت بھی واضح اور مستند نہیں! ۴۴

۲۳۔ [۱] حضرت امیر معاویہؓ پر حضرت علیؓ کے سب و شتم کا الزام! ۴۴

۲۴۔ [۲] حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کے ذریعہ حضرت امیر معاویہؓ کو مطعون کرنا! ۴۶

۲۵۔ [۳] حضرت معاویہؓ پر حضرت امام حسنؓ کو زہر دینے کا الزام! ۴۷

۲۶۔ [۴] حضرت امیر معاویہؓ پر محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کا الزام! ۵۰

۲۷۔ [۵] حضرت معاویہؓ پر حضرت ابن عباسؓ کے تبصرہ والی روایت ۵۱

۲۸۔ [۶] حضرت معاویہؓ پر باطل طریقے سے مال کھانے اور قتل ناحق کا الزام! ۵۳

۲۹۔ حواشی ۵۶

کلماتِ تبریک

حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی دامت برکاتہم

(مہتمم جامعہ ربانی، منورواشریف، ضلع سمستی پور بہار، انڈیا)

الحمد لله و کفیٰ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ محمد المصطفیٰ اما بعد!

حقیر راقم الحروف کا مضمون ''مشاجرات صحابہؓ اور اہل سنت والجماعۃ کا مسلک اعتدال'' حالیہ دنوں رسالہ 'دارالعلوم دیوبند' (اگست وستمبر ۲۰۲۲ء) میں شائع ہوا ہے، محترم جناب حافظ خرم شہزاد صاحب (گوجرانوالہ، پاکستان) جو فکر ومطالعہ کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، کو یہ مضمون پسند آیا، اور وہ اس کو اپنے علمی تحقیقی ادارہ ''بزم شیخ الہند گوجرانوالہ'' سے کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتے ہیں، میری طرف سے ان کو بصد خلوص اس کی اجازت ہے۔

اللہ پاک اس کتاب کی اشاعت کو نفع بخش بنائے اور حافظ صاحب موصوف کے علمی، فکری اور اشاعتی سفر کو قبول فرمائے۔ آمین

(حضرت مولانا) اختر امام عادل قاسمی

۱۷؍صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

مطابق ۱۵؍ستمبر ۲۰۲۲ء، بروز جمعرات

حرفِ چند

''مشاجراتِ صحابہؓ'' ایک حساس علمی مسئلہ ہے، اور اس میں اکثر لوگ بغیر علم و تحقیق چند غلط تاریخی روایات کی بنیاد پر فضول مباحثوں میں الجھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر سوشل میڈیا پر ایک عرصہ سے یہ مہم جاری ہے۔ (معاذ اللہ)

اہل سنت کے اکابر نے اس موضوع پر ہر دور میں قلم اٹھایا اور علم و تحقیق کے ذریعے ان مقدس شخصیات پر لگائے (گھڑے) گئے الزامات کا دلائل کے ساتھ مثبت علمی طور پر رد کیا اور دِفاع و ناموسِ صحابہ کرامؓ کا حق ادا کر دیا۔ دورِ حاضر کے معروف محقق اور مصنف حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ نے اس موضوع پر چند مدلل کتب بھی تصنیف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں صوبہ بہار (انڈیا) کے معروف عالم دین، محقق اور مصنف حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ربانی، منورواشریف، ضلع سمستی پور بہار) کو کہ جنھوں نے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی کتب کی روشنی میں ''مشاجراتِ صحابہؓ اور اہل سنت والجماعۃ کا مسلک اعتدال'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ تحریر فرمایا، اور یہ مقالہ عالم اسلام کے عظیم دینی وفکری مرکز دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں (ماہِ اگست و ستمبر ۲۰۲۲ء) شائع بھی ہوا۔

جب یہ علمی و تحقیقی مقالہ راقم کی نظر سے گذرا تو سوچا کیوں نہ اسے الگ کتابی

صورت میں تیار کر کے شائع کروایا جائے۔اسی دوران صاحبِ مقالہ حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی دامت برکاتہم سے رابطہ ہوا، اور اُن کو اِس عزم اور ارادہ سے آگاہ کیا تو انھوں نے نہ صرف خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا بلکہ اس مقالے کو شائع کرنے کی باضابطہ تحریری اجازت سے بھی نوازا (جو کتاب کے آغاز میں شامل ہے) فجزاھم اللہ تعالیٰ

اب ہم اس رسالے کو ''بزم شیخ الہند گوجرانوالہ'' کی جانب سے شائع کر رہے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں اور اس تحریر کو ہم سب کے لیے نفع بخش بنادیں۔آمین یارب العالمین

حافظ خرم شہزاد

(خادم بزم شیخ الہند گوجرانوالہ)

۲۵ر ستمبر ۲۰۲۲ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

متکلم اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء) عصر حاضر کے ممتاز محقق اور اسلامی افکار ونظریات کے مستند ترجمان تھے، فرقِ باطلہ کی تاریخ اور ان کے مسائل وافکار پر ان کی گہری نظر تھی، اس موضوع پر انھوں نے بینظیر خدمات انجام دیں، ان کی کتابیں اس باب میں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں ناموسِ صحابہؓ کا تحفظ بھی ان کا خاص موضوع تھا، صحابہؓ کا مقام و معیار، صحابہؓ پر ہونے والے اعتراضات کا دفاع اور ان کے باہمی اختلافات جیسے حساس مسائل پر آپ کے قلم سے انتہائی محققانہ اور زندہ تحریریں معرضِ وجود میں آئیں اور اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین کے مسلک اعتدال کی شاندار ترجمانی آپ نے فرمائی۔

زیرِنظر مضمون میں مشاجراتِ صحابہؓ پر آپ کی قیمتی تحقیقات وافادات سے ہم استفادہ کریں گے، اس موضوع پر بہت سی قیمتی چیزیں علامہ صاحبؒ کی کتابوں اور تحریروں میں پھیلی ہوئی ہیں، جن کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو وہ ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ یہ موضوع انتہائی حساس اور قدیم ہے، جو شروع سے ہی علماء اور مصنفین کے یہاں زیر بحث رہا ہے اور اکثر افراط وتفریط کا بھی شکار رہا ہے، جس کے نتیجے میں کئی فرقے وجود میں آئے؛ لیکن سلف صالحین نے ہمیشہ جادۂ اعتدال کو قائم رکھا۔

صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے، کسبی نہیں!

یہاں سب سے پہلے اصولی طور پر مقام صحابیت کی حقیقت ونزاکت کو سمجھنا ضروری ہے، اکثر فتنے اور غلط فہمیاں اسی حقیقت کا پورا ادراک نہ کرنے کی بنا پر پیدا ہوئیں:

صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے، کوئی کسبی شئے نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگر امام ابوحنیفہؒ سے علم میں آگے نکل گئے تو اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حضور اکرم ﷺ کی پہلی زندگی میں پیدا کیا، یہ ان کی اپنی کسبی شئے نہیں تھی اور پھر یہ فیصلہ اللہ رب العزت کا اپنا تھا کہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا، جب یہ ایک قطعی بات ٹھہری تو یہ بات بھی اپنی جگہ قطعی ہے کہ اب آئندہ کوئی شخص صحابی نہ ہو سکے گا۔ اس سے عقیدہ بھی ایک قطعی صورت اختیار کرتا ہے کہ صحابیت ایک وہبی چیز ہے، کوئی کسبی شئے نہیں ہے، اس دعویٰ پر کئی دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً ساری انسانیت رضائے الٰہی کی جستجو میں ہے اور یہی عام ہدایت بھی ہے، لیکن صحابہؓ کی ایسی مقدس جماعت ہے کہ اس کی رضا خود اللہ پاک چاہتے ہیں؛ بلکہ ان کی اتباع کرنے والوں کو بھی اس مرتبہ کا حقدار بتایا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ (۱)

"اور جو لوگ دین میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور (ان کی) مدد کرنے والے ہوئے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں ایک ایسا طبقہ بھی ہوا ہے جس کی رضا

خود پروردگارِ عالم کو مطلوب ہے، ظاہر ہے کہ یہ چیز کسب سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایک اور آیت کریمہ پر غور کریں:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً۔ (۲)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے صفت تقویٰ لازم کردی اور واقعی اس کے حقدار اور اہل تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا انھیں چن لینا اور یہ کہنا کہ وہ پہلے سے اس کے حقدار اور اہل تھے، یہ شرف صحافیت کے وہبی مرتبہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ بات مولانا ابوالکلام آزادؒ نے سورۂ توبہ (آیت:۲۴) کی تفسیر کے تحت ان الفاظ میں کہی ہے:

''بلا شبہ ومبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے راہِ حق میں کیا، انھوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا جو انسان کرسکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسان کی کوئی جماعت پاسکتی تھی۔''(۳)

اسی کے ساتھ خود صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اظہار حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں:

ابن معسود -رضی الله عنه- قال من كان مستناً بمن قد مات فان الحی لاتومن علیه الفتنة، اولئك اصحاب محمد-صلی الله علیه

وسلم- كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً واعمقها علماً والقمها تكلفاً اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرِفوا لهم فضلَهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقِهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدَى المستقيم۔ (۴)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سے منقول ہے آپ نے فرمایا جس کوکسی کی اقتدا ہی کرنا ہو اسے چاہیے کہ وہ ان کی اقتدا کرے جو اس دنیا سے جاچکے ہیں؛ کیونکہ زندہ شخص فتنوں سے مامون نہیں ہے، جو جاچکے وہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ تھے، جو اس امت کے افضل ترین لوگ تھے،(كنتم خير امة اخرجت للناس)ان کے دل سب سے زیادہ نیکی سے لبریز تھے، ان کا علم بہت گہرا تھا اور ظاہر داری ان میں بہت کم تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحابیت کے لیے اور دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا تھا، ان کا یہ مرتبہ انھیں اللہ تعالیٰ کی عطا تھی (وہبی تھا) سوان کا حق پہچانو اور ان کے پیچھے چلو وہ بیشک راہِ مستقیم پر تھے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس شہادت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابیت ایک عطائے خداوندی ہے اور صحابہؓ کے بارے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے؛ اس لیے خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اور بے شمار علماء سلف وخلف نے صراحت کی ہے کہ:

عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم واخباره عن طهارتهم واختياره لهم فى نص القرآن۔ (۵)

''صحابہؓ کی عدالت ایک ثابت شدہ اور معلوم حقیقت ہے؛ اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل اور ان کے دلوں کی شانِ طہارت بیان فرمائی اور

بتصریح قرآنی شرفِ صحابیت کے لیے ان کا انتخاب فرمایا۔''

جس طرح کعبہ قبلۂ نماز ہے صحابہ قبلۂ اقوام ہیں، قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے پہلے مخاطب صحابہؓ ہی ہیں:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً۔ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہوں۔'' (۶)

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ سے فرمایا، دیکھو! غلطیوں سے بچتے رہنا، لوگ تمھاری غلطیوں کو بھی اپنا لیں گے، آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حالت احرام میں رنگ دار چادر پہننے سے یہی کہہ کر منع فرمایا:

انکم ایها الرهط ائمة یقتدی بکم الناس فلو ان رجلاً جاهلاً رأى هذا الثوب لقال ان طلحة بن عبيد اللهِ كان يلبس الثياب المصبغة فی الاحرام فلا تلبسوا ایها الرهط شيئاً من هذه الثياب المصبغة۔ (۷)

''آپ حضرات پیشوا ہیں، لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں، اگر کوئی عام آدمی (جو اس رنگ سے واقف نہ ہو) اسے دیکھے تو کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ احرام میں رنگ دار کپڑے پہنتے تھے؛ اس لیے حالت احرام میں رنگین کپڑوں سے اجتناب کریں۔'' (۸)

تمام صحابہؓ قابل اتباع ہیں!

پھر صحابہ کرامؓ میں درجات کے فرق کے باوجود اتباع کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ سابقین اولین ہی میں سے ہوں، بہارِ نبوت کے جو پھول آخر میں کھلے وہ بھی اسی گلستانِ نبوت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدۂ جنت سب ہی سے ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ (۹)

’’تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں، جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ کا وعدۂ جنت سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے (گذشتہ آئندہ) تمام اعمال سے باخبر ہے۔‘‘

سابقین اولین اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے دونوں شرف صحابیت رکھتے ہیں، جو طبقہ ان کے پیچھے چلا، وہ تابعین کہلایا، یہ حضرات ’تابعین‘ اسی لیے بنے کہ صحابہؓ سب کے سب متبوعین (جو قابل اتباع ہوں) ہیں اور امت کے ذمہ ہے کہ ان کے نقشِ پا سے زندگی کی راہیں روشن کرے۔

نبوت اور صحابیت کے درمیان صرف دیکھنا شرط ہے، اتباع ضروری نہیں، جس نے ایمان سے آپ ﷺ کے جمال جہاں آراء کو دیکھا صحابیت پا گیا؛ لیکن اگلوں کے لیے صرف دیکھنا کافی نہیں اتباع بھی لازم ہے۔ (۱۰)

صحابہؓ کی شناخت رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ہے عمل سے نہیں!

صحابہؓ کی پہچان عمل سے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے؛ اس

لیے ارشادِ نبوی ہے:

عن عبدالله بن مغفل قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، اَللّٰهَ اَللّٰهَ فی اصحابی! اَللّٰهَ اَللّٰهَ فی اصحابی! لاتتخذوهم غرضاً بعدی، فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله ومن آذی اللهَ یوشك ان یاخذه۔ (١١)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو! میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد انھیں کبھی کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا سو جس نے ان سے محبت کی (وہ ان اعمال سے نہیں) وہ میری نسبت سے کی (کہ وہ میرے صحابیؓ ہیں) اور جس نے ان سے بغض رکھا دراصل اس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے میرے صحابہؓ کو کوئی اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، وہ اس کی گرفت سے کہاں بچ سکے گا۔''

یہ حدیث تواتر طبقات کے ساتھ امت میں چلی آرہی ہے، اسناد کے پہلو سے اس میں غرابت ہو تو اس سے یہ حدیث مجروح نہیں ہوتی، یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن کریم تواتر طبقات کے ساتھ منقول ہوتا چلا آرہا ہے اور وہ کہیں تواترِ اسناد کا محتاج نہیں ہے، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''قرة العینین'' میں اس اصول کی تصریح کی ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے اعمال کو زیر بحث لانا درست نہیں، ان سے مؤمن کی عقیدت و محبت ان کے اعمال اور نیکیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس رشتۂ رسالت سے ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، تو ظاہر ہے کہ ان کے کسی عمل پر بھی

انگلی نہ اٹھائی جائے گی اور نہ ان پر کسی کو تنقید کا حق ہوگا، کیونکہ یہ فی الواقع اس رشتہ پر حملہ ہوگا جو صحابہ کرامؓ کو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے۔ (۱۲)

عدالت وثقاہت کے لیے صحابیؓ ہونا کافی ہے

یہ بات یقینی طور پر حق ہے کہ صحابہؓ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو غیر ثقہ ہو یا جو دین میں کوئی غلط بات کہے، سرخیل محدثین حضرت علامہ عینیؒ (۷۵۷ھ) لکھتے ہیں:

لیس فی الصحابة من یکذب وغیر ثقة۔ (۱۳)

جب کوئی حدیث کسی صحابیؓ سے مروی ہو اور اس کے نام کا پتہ نہ چلے تو وہ راوی کبھی مجہول الحال نہ سمجھا جائے گا، صحابیؓ ہونے کے بعد کسی اور تعارف یا تعدیل کی حاجت نہیں، علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

ان جمیعهم ثقات مامونون عدل رضی فواجب قبول مانقل کل واحد منهم وشهدوا به علیٰ نبیه۔ (۱۴)

''سب صحابہؓ ثقہ اور امانت دار ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا ان میں سے ہر ایک نے جو بات اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی اور اس کے ساتھ اپنے نبی کے عمل کی شہادت دی (لفظاً ہو یا عملاً) وہ واجب القبول ہے۔''

خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے ان کی تعدیل کر چکا ہے:

فلایحتاج احدمنهم مع تعدیل الله لهم المطلع علیٰ بواطنهم الیٰ تعدیل احد من الخلق له۔ (۱۵)

’’صحابہؓ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ جو ان کے قلوب پر مطلع ہے اس کی تعدیل کے ساتھ اور کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔

جو چیز صحابہؓ سے ثابت ہو وہ بدعت نہیں!

ہر وہ قول اور فعل جو ان سے منقول نہیں بدعت ہے، سو یہ حضرات خود بدعت کا موضوع نہیں ہو سکتے، ان کے کسی عمل کا حکم نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة۔ (۱۶)

’’دین کے بارے میں کوئی قول اور کوئی فعل جو صحابہؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے۔‘‘

صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۶ھ) فرماتے ہیں:

کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا تعبدوها۔ (۱۷)

’’دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہؓ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا۔‘‘ (۱۸)

نسبت صحابیت لازوال اور حسن خاتمہ کی ضامن ہے

بعد کے ادوار میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف ونزاع یہاں تک کہ جنگ وجدل کے جو واقعات پیش آئے ان کی بنا پر کسی بھی صحابی کو تنقید کا نشانہ بنانا قطعی درست نہیں، اس لیے کہ واقعات وحادثات سے وہ نسبت منقطع نہیں ہوئی جو ان کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ

وسلم سے حاصل تھی۔ وہ نسبت لازوال ہے، امت کو ہدایت یہ دی گئی ہے کہ وہ صرف نسبت پر نگاہ رکھیں، صحابہؓ کو واقعات کے آئینے میں نہیں بلکہ نسبت نبوی کے آئینے میں دیکھیں، عالم الغیوب رب کائنات کو تو بعد میں پیش آنے والے تمام واقعات کی پہلے سے خبر تھی، اس کے باوجود صحابہؓ کو پروانۂ رضوان عطا کرنا اور ان کی تعدیل وتزکیہ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہؓ کے لیے یہ واقعات اصل نہیں ہیں؛ بلکہ نسبت اصل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے جس طرح اس نسبت کا حصول اختیاری نہیں ہے، اسی طرح اس کا زوال یا انقطاع بھی کسی کے اختیار میں نہیں، زندگی کے درمیانی وقفات میں خواہ کیسے ہی انقلابات پیش آئیں اس بات کی ضمانت ہے کہ خاتمہ بہر حال خیر پر ہوگا۔

جماعت سے باہر کا شخص امام کو لقمہ نہیں دے سکتا

صحابہؓ کے باہمی اختلافات ونزاعات کی بنا پر عام مسلمانوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی صحابیؓ پر انگلی اٹھائے، یا ان کو تنقید کا ہدف بنائے۔ علامہ خالد محمودؒ نے اس کی ایک بڑی پیاری فقہی مثال دی ہے:

> ’’فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ امام نماز پڑھائے اور کسی متشابہ پر قرآن پڑھنے میں غلطی کرے، تو اگر کوئی شخص جو جماعت میں شریک نہیں اسے لقمہ دے اور امام اس پر اعتماد کر کے اس کے لقمہ کو قبول کر لے، تو سب کی نماز ٹوٹ جائے گی، یہ کیوں؟ جب کہ وہ لقمہ صحیح تھا یہ صرف اس لیے کہ لقمہ دینے والا نماز کے باہر تھا اور لقمہ لینے والا نماز کے اندر تھا، جو نماز کے اندر ہے وہ اللہ کے حضور حاضر ہے اور جو نماز سے باہر ہے وہ کسی اور کام میں بھی مشغول ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اس درجے میں نہیں جس میں وہ ہے، جو نماز میں اللہ کے حضور حاضر ہے۔
>
> سو جس طرح نماز سے باہر والا نماز کے اندر والے کو لقمہ نہیں دے سکتا گو نماز

کے اندر والا واقعی غلط پڑھ رہا تھا، اس طرح کوئی عام امتی کسی صحابیؓ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا، گو وہ صحابیؓ اپنی کسی بات یا تحریک میں غلطی پر ہو۔

اسلام میں بڑوں کے احترام کے جو آداب سکھائے گئے ہیں ان میں یہ صورت بہت اہم ہے۔ان آداب میں سے ایک بڑا ادب یہ ہے کہ کوئی عام امتی کسی صحابیؓ پر تنقید نہ کرے، اس کی ہر غلطی کو بھی اس کی اجتہادی بات سمجھے، ہماری عقائد کی جملہ کتابوں میں صحابہؓ کو ہر تنقید سے بالا رکھا گیا ہے، خواہ یہ حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اجمعین) آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کتنی سخت زبان کیوں نہ اختیار کریں؛ لیکن اس کے حوالے سے عام افرادِ امت کو ان پر زبان دراز کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔'' (۱۹)

صحابہؓ ہر قسم کے جرح وتنقید سے بالاتر ہیں- علماء امت کا اتفاق!

چنانچہ سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابیت کی نسبت ہی عدالت وثقاہت کے لیے کافی ہے، مزید کسی تحقیق کی ضرورت نہیں اور اعمال وواقعات کی بنا پر کسی صحابی رسول پر تنقید جائز نہیں، صحابہؓ ہر قسم کے جرح وتنقید سے بالاتر ہیں، ان کے اختلافات خواہ وہ علمی وفکری ہوں یا سیاسی وحربی، سب اجتہاد پر مبنی ہیں، کسی بدنیتی اور فساد پر نہیں اور اجتہاد غلط بھی ہو تو قابل اجر ہے، لائق مواخذہ نہیں ہے؛ اس لیے صحابہؓ کے اختلافات کے بارے میں کوئی تاریخی واقعہ سامنے آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی اور کوئی محمل حسن متعین کیا جائے گا اور اگر صواب وخطا کچھ سمجھ میں نہ آئے تو بھی توقف اور کف لسان واجب ہے، کسی اظہارِ رائے یا ذہنی قیاس آرائی کی اجازت نہیں ہے، یہ مقام ہی ایسا ہے کہ زبان کھولنا بھی گناہ ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ (۶۳۰ھ) اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ صحابہؓ جرح

سے بالا کیوں ہیں؟، لکھتے ہیں:

والصحابة يشاركون سائر الرواة فی جميع ذلك الا فی الجرح والتعديل فان كلهم عدول لا يتطرق اليهم الجرح لان الله عزوجل ورسوله زكاهم وعدلاهم وذلك مشهور لا تحتاج لذكره۔ (۲۰)

''صحابہؓ دوسرے راویوں کے ساتھ ہر بات میں شریک ہیں؛ مگر جرح وتعدیل میں وہ دوسروں کے درجے میں نہیں، یہ سب کے سب عادل ہیں، جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کردیا ہے اور ان کی تعدیل کردی ہے اور یہ بات اتنی روشن ہے کہ اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔'' (۲۱)

صحابہؓ کے اختلافات میں بڑی حکمت الٰہی پوشیدہ ہے

صحابہؓ میں جو اختلافات ظاہر ہوئے یا خود عہد نبوت میں بعض خلافِ شان چیزیں ان کی طرف سے سامنے آئیں، ان میں بڑی حکمت الٰہی پوشیدہ ہے، عہد نبوی میں بعض صحابہؓ سے جو خلافِ شان اعمال سرزد ہوئے ان کا مقصد دراصل تکمیل شریعت تھا اور ان حضرات کو بطور اسباب استعمال کیا گیا اور عہد نبوی کے بعد جو چیزیں رونما ہوئیں ان میں بھی اجتہاد کی کئی جہتوں کو روشنی میں لانا مطلوب تھا، علاوہ آخری حالات کے اعتبار سے کسی صحابیؓ کا خاتمہ غلط فکر وعمل پر نہیں ہوا؛ بلکہ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہ راہِ صواب یا راہِ اعتدال پر قائم ہوگئے اور پھر ان کی وفات ہوئی۔

اختلافات کے باوجود صحابہؓ خیر امت کے مقام پر فائز رہے، قرآن کریم نے باہمی جنگ کو ایمان کے منافی قرار نہیں دیا ہے۔ (۲۲)

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ

إِحۡدَاهُمَا عَلَى الۡأُخۡرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبۡغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمۡرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتۡ فَأَصۡلِحُوا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِينَ[۹]إِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٌ فَأَصۡلِحُوا بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ[۱۰](۲۳)

''اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں باہم لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والی جماعت کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ حکم خداوندی کی طرف لوٹ آئے، اگر واپس آجاتی ہے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کا معاملہ کرو، اللہ پاک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، ایمان والے تو سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس بھائیوں کے درمیان صلح کروا اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کیا جائے۔''

ایک بڑا سبب تکمیل شریعت ہے!

علامہ خالد محمود صاحبؒ لکھتے ہیں:

''صحابہؓ کے اختلاف کا منشا غلط فہمی تو ہوسکتا ہے؛ لیکن بدنیتی نہیں، سوءِ اعتقاد نہیں، ایمان اپنی بنیادی شان سے ان کے دلوں میں جگہ پاچکا ہے، ان میں خون ریزی تک دیکھو تو بدگمانی کو راہ نہ دو، یہ سب بھائی بھائی ہیں، بدگمانی سے انتہا تک بچو، ان میں سے کسی سے بڑے سے بڑا گناہ دیکھو تو بھی بدگمانی نہ کرو، اس کا ظہور بتقاضائے فسق نہیں ہوا، محض اس حکمت سے وجود میں آیا ہے کہ اس پر شریعت کی ہدایت اترے اور یہ لوگ تکمیل شریعت کے لیے استعمال ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت نماز کی رکعتوں میں بھولنا از راہِ غفلت نہیں تھا، اس کی حکمت الٰہی کے تحت تھا کہ لوگوں پر سجدۂ سہو کا مسئلہ کھلے اور شریعت اپنی پوری بہار سے کھلے۔ سو ایسے امور شریعت کے شانِ نبوت کے خلاف نہ تھے ان کے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالے گئے اور جو گناہ کی حد تک پہنچتے تھے انھیں صحابہؓ پر ڈالا گیا، اور وہ حضرات اس طرح کی تکمیل شریعت کے لیے بطور سبب استعمال ہو گئے، ان حالات سے گذرنے کے بعد ان کا وہ تقدس بحال ہے جو انھیں بطور صحابیؓ کے حاصل تھا، اور ان کی بھی بدگوئی کسی پہلو سے جائز نہیں، اعتبار ہمیشہ اواخر امور کا ہوتا ہے، اس کے بغیر ان اموراور واقعات کی قرآن کریم سے تطبیق نہیں ہوتی۔"

اختلاف اصول کا نہیں فروع کا اور وسعت عمل کا ہے

صحابہ کا باہمی اختلاف اصول کا نہیں فروع کا ہے، حق و باطل کا نہیں وسعت کا ہے، ان میں سے جس کی بات چاہے لے لو، لیکن دوسرے پر جرح نہ کرو اور نہ اسے باطل پر کہو، ان حضرات کے جملہ اعمال وافکار کسی نہ کسی جہت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی استناد رکھتے ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) نے ائمہ مجتہدین کے مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے اعمال سے مسند بتایا ہے اور صحابہؓ کے اختلاف کو امت کے لیے وسعت عمل قرار دیا ہے۔ (۲۴)

صحابہؓ کا اختلاف حق و ناحق کا نہیں، ترجیح کا تھا

تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ میں چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں، حضرت معاویہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا؛ لیکن اس میں اہل سنت کا محتاط موقف یہی رہا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہنے کی بجائے اسے یوں کہا جائے کہ

ان میں اولیٰ بالحق حضرت علیؓ تھے، یعنی نیت دونوں کی درست تھی، منزل دونوں کی حق تھی، حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے، دوسری طرف 'باطل' کا لفظ لانے سے احتیاط کی جائے، اسے خلافِ اولیٰ کہنے سے بات واضح ہوجاتی ہے۔ آپ کے لیے یہ اولیٰ بالحق کی تعبیر خود لسانِ رسالت سے ثابت ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ بھی حق پر تھے۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) بیان کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تکون فی امتی فرقتان فتخرج من بینهمامارقة یلی قتلهم اولادهم بالحق۔ (۲۵)

''میری امت (سیاسی طور پر) دوحصوں میں بٹ جائے گی، ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا فرقہ نکلے گا، اس تیسرے فرقۂ مارقہ کے قتل کے درپے جوان دوجماعتوں میں سے نکلے گا وہ اپنے اختلاف میں حق کے زیادہ قریب ہوگا۔''

دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہؓ کے حامیوں کو باطل پر کہنے کی بجائے حضرت علیؓ کو اولیٰ بالحق فرمایا ہے، یعنی اصولاً دونوں حق پر ہوں گے؛ لیکن ان میں ایک زیادہ حق پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ حضرت علیؓ تھے جو خوارج سے لڑے۔

خود حضرت علیؓ نے بھی کبھی حضرت معاویہؓ کو گمراہ یا باطل پر نہیں کہا؛ بلکہ اپنا ہم عقیدہ قرار دیا، حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

وکان بداء امرنا انا القینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستریدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا الامر واحد الاما

اختلفنا فيه من دم عثمان و نحن منه براء۔ (۲۶)

''ہمارے اختلاف کی ابتدا تھی کہ ہم اہل شام آپس میں ٹکرا گئے اور ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک خدا، ایک نبی اور ایک دعوتِ اسلام پر جمع ہیں، ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں ان سے زیادہ نہیں اور وہ ہم سے ایمان میں زیادہ نہیں، ہم سب ایک ہیں، ماسوائے اس کے کہ خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہم میں کچھ اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری ہیں۔'' (۲۷)

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

انما اختلف اجتهادهم فی الحق ماقتتلوا عليه وان كان المصيب عليا فلم يكن معاوية قائماً فيها يقصد الباطل انما قصدا الحق واخطا والكل كانوا فی مقاصدهم على الحق۔ (۲۸)

''ان کا اختلاف اجتہادی تھا، گو کہ باہمی جنگوں میں حضرت علیؓ صواب پر تھے؛ لیکن حضرت معاویہؓ کی نیت بھی خیر ہی کی تھی؛ لیکن غلطی ہوئی؛ مگر سب کی نیت خیر ہی کی تھی۔'' (۲۹)

اختلافاتِ صحابہؓ کی تاویل کرنا اور بہتر محتمل متعین کرنا واجب ہے

صحابہؓ کے باہمی اختلافات ونزاعات میں تاویل کرنا اور ان کو کسی بہتر محمل پر محول کرنا واجب ہے، ورنہ سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، شرح عقائد میں ہے:

وما وقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاويلات فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الا دلة القطعية فكفر كقذف عائشةؓ والا بدعة وفسق۔ (۳۰)

''صحابہؓ میں جو اختلافات اور محاربات ہوئے ان سب کے اپنی اپنی جگہ حل

موجود ہیں اور ان کی ایسی توجیہات کی جا سکتی ہیں کہ ہر ایک کا اپنا مقام برقرار رہے، ان بزرگوں کی شان میں طعن کرنا اگر دلائل قطعیہ یقینیہ کے خلاف ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھنا تو یہ یقیناً کفر ہے اور اگر دلائل قطعیہ کی مخالفت نہیں ، اخبار آحاد کے خلاف ہے تو یہ بھی بدعت اور بدکاری ہے۔'' (۳۱)

صحابہؓ میں جو اختلافات ہوئے وہ رائے اور فہم کے اختلاف سے ہوئے ، بدنیتی کسی کے شامل حال نہ تھی ، اگر کسی نے کسی کو خطا پر کہا ہے تو ظنی جہت سے ہے، یقینی طور پر ہم کسی کو خطا پر نہیں کہہ سکتے :

لایجوز ان ینسب الیٰ احد من الصحابة خطاء مقطوع به و کانوا کلهم اجتهدوا فیما فعلوه و ارادوا الله عزوجل وهم کلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالکف عما شجر بینهم۔ (۳۲)

''یہ جائز نہیں کہ صحابہؓ کے ان اختلافات میں ہم کسی طرف قطعی خطا کی نسبت کریں، ہر ایک نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد سے کیا، اور سب کی مراد اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا تھا اور وہ صحابہؓ سب کے سب ہمارے پیشوا ہیں، ان کے اختلافات سے زبان کو بند رکھنے میں ہم خدا کی رضا جانتے ہیں۔''

تاویل معلوم نہ ہو تو باتفاقِ اہل سنت توقف اور کف لسان واجب ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) اس باب میں تفویض کے قائل معلوم ہوتے ہیں، آپ کہتے ہیں، ان (صحابہ کرامؓ) کے اختلاف کو اللہ کے سپرد کیا جائے اور خطاء وصواب کے فیصلے ہم خود نہ کریں۔

تسلیم امرهم الی الله عزوجل علیٰ ماکان و جری من اختلاف

علی و طلحة و الزبیر و عائشة و معاویة رضی الله عنهم۔ (۳۳)

''ان کا معاملہ جیسا بھی رہا اسے اللہ کے سپرد کیا جائے، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے معاملات کا یہی حکم ہے۔''

حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلیفہ ہیں، ان کا مسلک بھی توقف ہی معلوم ہوتا ہے۔

قتال شهده اصحاب محمد وغبنا وعلموا و جهلنا و اجتمعوا فاتبعنا و اختلفوا فوقفنا۔ (۳۴)

''یہ ایسی جنگ تھی جس میں حضور ﷺ کے صحابہؓ سامنے تھے اور ہم وہاں نہ تھے، انھوں نے معاملے کو جانا اور ہم ناواقف رہے، جس پر یہ متفق رہے ہم نے اس کی پیروی کی اور جب ان میں اختلاف ہوا تو ہم نے توقف کیا۔''

اگر ان میں سے کسی ایک جانب صواب متعین بھی ہو جائے تو بھی دوسری جانب اعتراض جائز نہیں ہے، کیونکہ مجتہد مخطی کی صورت میں ایک اجر پھر بھی پائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ اس پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے:

واتفق اهل السنة علی وجوب منع الطعن علی احد من الصحابة بسبب ماوقع لهم من ذلك ولو عرف المحق منهم لانهم لم یقاتلوا فی تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالیٰ عن المخطء فی الاجتهاد بل ثبت انه یوجر اجراً واحداً وان المصیب یوجر اجرین۔ (۳۵)

''اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہؓ سے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی واقع ہوا اس کے باعث کسی صحابیؓ پر اعتراض سے اجتناب کرنا واجب ہے، اگرچہ ان میں راہِ صواب پہچان بھی لیا جائے، کیونکہ وہ ان جنگوں میں اجتہاد کے باعث مبتلا ہوئے، (کہ امت کی بھلائی کس میں ہے) اپنی ذات یا خودغرضی کی راہ سے نہیں اور اللہ پاک نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف کر دیا ہے، بلکہ ثابت ہے کہ ان کو ایک اجر ملے گا، اور صواب تک پہنچنے والے مجتہد کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت ابومیسرہ عمرو بن شرحبیلؒ کا ایک خواب کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے:

''وہ کہتے ہیں، میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور میں نے اپنے سامنے خیمے لگے دیکھے، میں نے پوچھا یہ کن کا ڈیرہ ہے؟ مجھے بتایا گیا ذی الکلاع اور حوشب کا (یہ دونوں جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے) میں نے پوچھا حضرت عمارؓ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ جواب ملا آگے دیکھو!

قال قلت سبحان الله وقد قتل بعضهم بعضا فقال انهم لقوا الله فوجدوه واسع المغفرة۔ (۳۶)

''میں نے پوچھا، سبحان اللہ! یہ کیسے ہیں؟ ان میں سے تو بعض نے بعض کو قتل کیا تھا۔ جواب ملا جب یہ سب باری تعالیٰ کے حضور پہنچے تو انھوں نے اس کی مغفرت کو بے حد وسیع پایا۔''

اللہ کی وسیع مغفرت سے مراد نیتوں پر فیصلے کرنا ہے، نیک نیت خطا کار بھی اس

کے یہاں اجر پالیتا ہے، بشرطیکہ اس نے نفس سے نہیں سوچ سمجھ کر کوئی راہ اختیار کی ہو۔۔ یہ سب معاملات اور اختلافات کچھ اس طرح واقع ہوئے کہ یہ حضرات اپنی اصل سے نہیں ہٹے، نہ امت سے کٹے، خونریزی پر بھی اترے تو امت کی بقا کے لیے اور پھر مہاونت پر آئے تو وہ بھی اصلاح کے لیے اور پھر آپس میں متحد ہوئے تو وہ بھی اپنی اصل سے وفا کے لیے۔۔ان کے اختلافات کو مشاجرات اسی لیے کہتے ہیں کہ درخت ایک ہی رہا جس کے گرد یہ جمع ہیں، بس اس کی پتیاں اور شاخیں آپس میں ٹکراتی رہیں، باہر سے کوئی ان کے تار نہیں ہلا رہا تھا، نہ یہ کہ ان کے دِل پاک نہ تھے۔(۳۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے بھی امت اسلامیہ کو نصیحت فرمائی ہے:

امر اخرج الله ایدیکم منه ما تعملون السنتکم فیه۔(۳۸)

’’یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا، اب تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کر رہے ہو؟‘‘(۳۹)

حضرت امام شافعیؒ نے مشاجراتِ صحابہؓ میں یہ فیصلہ دیا:

تلك دماء اطهر الله عنها ایدینافلنظهر عنها السنتنا۔(۴۰)

’’یہ وہ خون تھے کہ اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے بچائے رکھا، پس چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان خونریز اختلافات سے بچائے رکھیں۔‘‘

امام ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ونحب اصحاب رسول الله ولا نفرط فی حب احدمنهم ولا نتبرا من احد منهم ونبغض من یبغضهم وبغیر الخیر من یذکرهم ولا نذکرهم الابخیر وحبهم دین وایمان واحسان وبعضهم کفر ونفاق وطغیان۔(۴۱)

''ہم اصحاب رسول سے محبت رکھتے ہیں، نہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں اور نہ کسی سے برأت ظاہر کرتے ہیں، جو ان سے بغض رکھے یا غلط طور پر ان کا ذکر کرے ان سے ہم بغض رکھتے ہیں، ہم صحابہؓ کا صرف ذکر خیر کرتے ہیں، صحابہؓ کی محبت دین وایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ونفاق اور طغیان ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:

فهم خير القرون و خير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزو جل عليهم---انما وضع الله عزو جل اصحاب رسوله الموضع الذين وضعهم فيه بثنائه عليهم من العدالة و الدين و الامانة لتقوم الحجة علىٰ جميع اهل الملة بما رووه عن نبيهم من فريضة و سنة۔ (۴۲)

''صحابہ کرامؓ بہترین دور کے لوگ ہیں اور بہترین امت ہیں جو سب لوگوں کے رہنما ٹھہرے ان سب کا عادل ہونا اس طرح ثابت ہے خود اللہ پاک نے ان کی ثنا کی ہے---نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے اصحاب کو اس مقام پر رکھا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عدالت، دیانت اور امامت کی خود ثنا کی ہے، تاکہ تمام اربابِ مِلل پر دین کی حجت قائم ہو جائے، ان کے اپنے نبی سے فرائض وسنن کی روایت کرنے میں۔''

ابومنصور البغدادیؒ لکھتے ہیں:

واما معاويةؓ فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار والحروب التى جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب نفسها بسببها و كلهم متاولون فى حروبهم ولم يخرج احد

منهم من العدالة لانهم مجتهدون۔ (۴۳)

'' حضرت معاویہؓ عادل ،فاضل اور اخیار صحابہؓ میں سے ہیں۔جو جنگیں ہوئیں وہ اس طرح ہوئیں کہ ان میں سے ہر ایک گروہ ایک شبہے میں گھرا تھا، جس میں وہ اپنے آپ کو اجتہاداً حق پر سمجھتا تھا اور وہ اپنی اپنی جنگوں میں مقام تاویل پر تھے اور اس طرح ان میں سے کوئی اپنے مقام عدالت سے نہیں گرا اس لیے کہ وہ سب کے سب ان اختلافات میں مقام اجتہاد پر تھے۔''

حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) خلفاء راشدینؓ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهؤلاء الائمة بعد رسول الله ﷺ وخلافتهم خلافة النبوة ونشهد للعشرة بالجنة الذين شهدلهم رسول الله ﷺ ونتولى سائراصحاب النبی ﷺ ونكف عما شجر بينهم وندين الله ان الائمة الاربعة راشدون مهديون فضلاء لايوازيهم فی الفضل غيرهم ونصدق بجميع الروايات التی ثبتت عنداهل النقل۔ (۴۴)

''یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کے امام ہیں اور ان کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے اور ہم ان دس (۱۰) حضرات کے لیے جنت کی شہادت دیتے ہیں، جن کے لیے حضور ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے اور ہم تمام صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں جو اختلاف ہوئے ہم ان سے زبان بند رکھتے ہیں اور ہم اللہ کو اس پر گواہ لاتے ہیں کہ یہ چاروں حضرات رشد و ہدایت پر رہے، علم وفضل میں یہ ایسے ہیں کہ کوئی ان کے برابر نہیں اترتا اور ہم ان تمام روایات کی تصدیق کرتے ہیں جنہیں محدثین (اہل نقل) نے ثابت فرمایا ہے۔''

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

مما روی فی الاحادیث الصحیحة من مناقبهم ووجوب الكف عن الطعن فيهم لقوله عليه السلام اكرموا اصحابی فانهم خياركم الحديث ولقوله عليه السلام لاتتخذوا غرضاً من بعدی۔ (۴۵)

"احادیث صحیحہ میں صحابہؓ کے جو مناقب مروی ہیں، ان کی رو سے ان پر زبان طعن کو روکے رکھنا واجب ہے، حضور ﷺ کا صحابہؓ کے بارے میں ارشاد ہے: "میرے صحابہؓ کی عزت کرو، یہ بیشک تم میں بہترین لوگ ہیں۔" اور حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: "میرے صحابہ کو کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

اتفق اهل السنة علىٰ ان الجميع عدول فی ذلك الاشذوذ من المبتدعة۔ (۴۶)

"تمام اہل سنت اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا، سوائے چند مبتدعین کے۔"

سوان میں سے کسی پر کوئی جرح نہ کی جائے، یہ گواہ کسی طرح مجروح نہ ہونے پائیں، حافظ ابن حجرؒ نے صحابہؓ پر جرح کرنے کو بدعتیوں کا نشان بتایا ہے، اس لیے آج بھی جو اُن پر جرح کریں ان کے بدعتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ء) لکھتے ہیں:

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة رضی الله عنهم وجوباً باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنیٰ الله سبحانه وتعالیٰ عليهم۔ (۴۷)

"اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کو تزکیہ یافتہ ماننا لازم ہے،

کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا عادل ہونا ثابت ہے اور ان پر ہر طرح کے طعن سے رکنا اور ان کی ثنا خوانی کرتے رہنا جیسا کہ اللہ نے قرآن میں ان کی ثنا کی ہے، لازم ہے۔''

بحر العلوم ملا محمد عبد العلی لکھنویؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:

واعلم ان عدالۃ الصحابۃ الداخلین فی بیعتہ الرضوان والبدریین کلھم مقطوع العدالۃ لایلیق لمؤمن ان یمترا فیھا ....والواجب علینا ان نکف عن ذکرھم الا بخیر۔ (۴۸)

''جان لو کہ وہ صحابہؓ جو بیعت رضوان میں شامل تھے اور جو بدری صحابہؓ ہیں، یہ سب قطعی طور عادل ہیں کسی مومن کو یہ حق نہیں کہ وہ اس میں کسی طرح کا کوئی شک کرے۔۔۔ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے بارے میں سوائے ان کی مدح وثنا کے ہر طرح سے زبان بند رکھیں۔''

غرض تمام ائمہ واعلام کا اتفاق ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا ہر بات سے زبان بند رکھی جائے، اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ صحابہؓ کی بے ادبی میں مومن کی زبان نہ کھلے، صحابہؓ سے کوئی عمل ان کی شان کے خلاف صادر ہو تو اس کی تنقیح یا تاویل کی جائے گی، انھیں اعتماد کی سطح سے گرایا نہیں جائے گا، صحابہؓ دین اسلام کو آگے نقل کرنے میں جرح سے بالا اور سب اہل ملت پر حجت سمجھے گئے ہیں، ان کی مدح وثناء کا اقرار اس امت میں تسلسل سے چلا آرہا ہے، سو اس قدر مشترک کا تحفظ اس طرح سے رہ سکتا ہے کہ ان پر کسی قسم کی جرح سے زبان اور قلم کو روکا جائے۔

علماء حق تاریخ کے ہر دور میں صحابہ کا تزکیہ، ان کی عدالت ودیانت اور ان کا جرح سے بالا ہونا اس کثرت سے بیان کرتے آئے ہیں کہ اس پر تمام اکابرین امت کا صدی وار

اجماع قائم ہے، اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس اجماع سے نکلے اور کسی صحابیؓ پر زبانِ جرأت دراز کرے، اعاذالله منها۔(۴۸)

صحابہؓ سے بغض رکھنے والا خارج از اسلام ہے

صحابہؓ پر طعن کبھی اس درجہ میں ہوتا ہے کہ کفر تک پہنچ جاتا ہے جیسے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانا، ائمہ مجتہدین اور علماء صالحین میں سے کسی نے حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر لعنت کی اجازت نہیں دی ہے۔

شرح عقائد کی شرح النبر اس میں ہے:

والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة ..... وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن علىٰ معاوية واحزابه۔(۵۰)

''صحابہؓ میں سے کسی پر طعن کرنا اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہو تو یہ کفر ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانا اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے حضرت معاویہؓ اور ان کے احباب پر لعنت کرنے کا جواز منقول نہیں ہے۔''

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ سے دل میں کوئی بوجھ رکھا وہ اسلام سے نکل گیا:

ومن هذه الآية انتزاع الامام -رحمه الله، فى رواية عنه -بتكفير الروافض الذين يبغضون الصحابة، قال: لانهم يغيظونهم ومن غاظ الصحابة فهو كافر لهذه الآية ووافقه طائفه من العلماء علىٰ ذلك والاحاديث فى فضائل الصحابة والنهى عن التعرض لهم بمساءة كثيرة ويكفيهم ثناء الله عليهم ورضاه عنهم۔(۵۱)

حافظ ابوزرعہ رازیؒ (۲۶۴ھ) لکھتے ہیں:

واذا رایت الرجل ینتقض احداً من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انـه زندیق....وھـؤلاء یـریـدون ان یـخـرجـوا شھـودنا لان یبطلوا الکتاب والسنة والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقة۔(۵۲)

”تم جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق (ملحد) ہے۔۔۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں پر جرح کر کے کتاب وسنت کو اڑا کر رکھ دیں یہ لوگ خود جرح کے زیادہ لائق ہیں اور یہ سب کے سب زندیق ہیں۔“(۵۳)

اس اصولی بحث کے بعد ہم ایک نظر موضوع کی بعض تفصیلات پر ڈالتے ہیں، جس سے علماء اسلام کے مذکورہ موقف کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

صحابہؓ کے علمی اختلافات

جہاں تک صحابہؓ کے علمی وفکری اختلافات کا تعلق ہے تو بلاشبہ ان کے درمیان اس نوع کے بے شمار اختلافات ہوئے، بلکہ ان علمی اور اجتہادی اختلافات کا سرشتہ خود عہد نبوت ہی سے ملتا ہے۔ جیسا کہ بنوقریظہ میں عصر (کی نماز) پڑھنے کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے، مگر یہ کوئی معیوب بات نہیں ،خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے دونوں فریق کی تصویب فرمائی۔(۵۴)

ظاہر ہے کہ جس امت کو اجتہاد جیسا سرچشمۂ قانون عنایت کیا گیا، وہاں فکر ورائے کا اختلاف عین عقل وفطرت ہے۔ چنانچہ عہد نبوت کے بعد بھی یہ اختلافات جاری رہے، کتب حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور صحابہؓ کے ایک دوسرے پر

مناقشات پر مستقل کتابیں لکھی گئی، مگر یہ قسم یہاں زیرِ بحث نہیں ہے۔

سیاسی اختلافات اور مشاجرات

یہاں زیرِ بحث وہ اختلافات ہیں جو سیاسی اور حربی نوعیت کے ہیں، جن میں زبان کے ساتھ ساتھ شمشیر و سنان کی طاقت بھی استعمال ہوئی اور اِنھیں کو ''مشاجرات'' کا نام دیا گیا۔ لیکن غور کیجیے تو یہ اختلافات بھی بعد کی پیداوار ہیں، حضرت عثمانؓ کی شہادت سے قبل اس طرح کا کوئی بڑا اختلاف رونما نہیں ہوا تھا، حضرت عثمانؓ خلافت کے آخری دور میں صحابہؓ کی تعداد عام مسلم آبادی کے مقابلے میں بہت کم ہوگئی تھی، اس لیے جو اختلافات رونما ہوئے اس کا سبب براہِ راست خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ ان میں بڑا دخل ان مسلمانوں کا تھا جو شرفِ صحابیت سے محروم تھے، اس لیے ان اختلافات کو براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔

خود امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کا سانحۂ شہادت بھی مشاجراتِ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتا، اس لیے کہ آپ کے قتل میں کوئی صحابی رسول ﷺ شریک نہیں تھے، (چنانچہ) امام نوویؒ لکھتے ہیں:

> ولم يشارك فى قتله احد من الصحابة وانما قتله همج ورعاع من غوغاء القبائل سفلة الاطراف والاراذل تحزّبوا وقصدوا من مصر، فعجزت الصحابة الهاضرون عن دفعهم فحصروه حتى قتل رضى الله عنه،وقد وصفهمالزبير رضى الله عنه بانهم غوغاء من الامصار و وصفتهم السيدة عائشةؓ بانهم نزّاع القبائل۔ (۵۵)

''حضرت عثمانؓ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا، آپ کو قتل کرنے والے نچلے درجے کے لوگ تھے، یہ فساد پیدا کرنے والے قبائل اور جنگی قسم کے

رزیل لوگ تھے جو جتھا بن کر آئے اور انھوں نے آپؓ پر حملہ کیا اور وہاں پر موجود صحابہؓ انھیں روکنے سے عاجز رہے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ’’یہ لوگ مختلف شہروں کے شر پسند لوگ تھے‘‘ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قبائل کے چھٹے ہوئے لوگ تھے۔‘‘

اختلافات صحابہؓ کی جماعت میں نہیں، مخلوط جماعت میں پیدا ہوئے!

حقیقت یہ ہے کہ امت کے معاملات جب تک صحابہؓ کی جماعت کے سپرد رہے اسلامی معاشرہ بیشک اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ، رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (جو قرآن کریم میں صحابہؓ کی شان میں کہا گیا ہے) کا مظہر بنا رہا، لیکن یہ حالت اسی دور تک رہی جب تک امت مسلمہ زیادہ تر صحابہؓ کی جماعت پر مشتمل تھی۔ آنحضرت ﷺ کی وفاتِ شریفہ کا زمانہ جوں جوں دور ہوتا گیا، امت مسلمہ میں صحابہؓ کی تعداد کم ہوتی گئی اور دوسرے مسلمان جو صحابی نہ تھے اکثریت بنتے چلے گئے، اب ایسے دور کے مسلمان اگر رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (آپس میں نرم دل) کا مظہر نہ رہیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جماعت صحابہؓ اس صفت کی آئینہ دار نہیں رہی، بلکہ دیکھا جائے تو ایسے دور میں صحابہ کرامؓ کی مجموعی حیثیت یا تنظیم کسی محسوس صورت میں ملتی ہی نہیں، وہ اگلے دور کے مسلمانوں میں اس طرح ملے جلے نظر آتے ہیں کہ اس دور کے فیصلے نہ جماعت صحابہؓ کے فیصلے سمجھے جاسکتے ہیں اور نہ ان کو صحابہ کرامؓ کے اختلافات کہا جاسکتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ ان اختلافات نے صحابہؓ کے ناموں سے شہرت حاصل کی۔ لیکن یہ اختلافات صحابہ کرامؓ کی جماعت کا اختلاف نہیں کہلا سکتے کیونکہ اس وقت کی جماعتی زندگی پر غیر صحابہ کا غلبہ اور تسلط تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں جماعت صحابہؓ کے بجائے غیر صحابہ کا غلبہ تھا اور وہ

بھی زیادہ تر وہی لوگ تھے جو سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے کہنے سننے میں نہ تھے، ہمیں حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس دور کے متعدد ایسے خطبے ملتے ہیں جن میں وہ اپنی مجبوری اور ان لوگوں کی سینہ زوری کے بہت شاکی (شکایت کرتے ہوئے) نظر آتے ہیں، حضرت علی المرتضیٰؓ خود فرماتے ہیں:

یملکوننا و لانملکھم۔ (۵۶)

''یعنی یہ لوگ اپنا حکم ہم پر چلاتے ہیں اور ہماری (بات یا حکم) نہیں سنتے۔''

ایسے لوگوں کی معیت اگر بعض صحابہؓ کو بعض دوسرے صحابہؓ سے بدگمان کیے رکھے اور یہ لوگ ہر وقت ایسے مواقع کی تاک میں رہیں اور باہمی معاملات میں اختلاف وانشقاق کے کانٹے بوتے رہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (۵۷)

جیسا کہ جنگ صفین میں حضرت عائشہؓ جنگ کے لیے نہ آئی تھیں، بلکہ بطور اُم المؤمنین بیٹوں میں مصالحت کرانی پیش نظر تھی لیکن غلطی سے یہ جنگ میں تبدیل ہوگئی جس کا حضرت عائشہؓ کو ہمیشہ افسوس رہا۔ (۵۸)

اسی لیے صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد ان جنگوں سے علیحدہ رہی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

و کان من الصحابة فریق لم یدخلوا فی شئی من القتال۔ (۵۹)

''صحابہؓ میں ایسے لوگ بھی تھے جو ان میں سے کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔''

اور شرح عقیدۂ طحاویہ میں ہے:

وقعد عن القتال اکثر الاکابر۔ (۶۰)

''اور اکثر اکابر صحابہؓ ان خون ریز جنگوں سے علیحدہ رہے۔'' (۶۱)

صحابہؓ ایک دوسرے کے حق میں بے حد مخلص اور خیر خواہ تھے

غرض صحابہؓ کے درمیان جن اختلافات کا ذکر کیا جاتا ہے وہ درمیانی لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئے اور محض غلط فہمیوں کی بنیاد پر بعض ناخوشگوار واقعات پیش آ گئے، ورنہ صحابہؓ باہم ایک دوسرے کے حق میں بے حد خیر خواہ اور مخلص تھے اور اگر غلطی سے کسی کے حق میں زیادتی ہو جائے تو اس سے درگذر کرنے والے تھے، اس کی مثال خود عہد نبوت میں پیش آئی:

جنگ اُحد میں حضور ﷺ کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلنے سے ایک افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اس میں بعض مسلمان بھی خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان میں ایک حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے والد بھی تھے، حضرت حذیفہؓ نے دور سے آواز دی کہ یہ میرے والد ہیں مگر افراتفری میں وہ آواز سنی نہ جا سکی اور حضرت یمان شہید ہو گئے۔ (۶۲)

اب حضرت حذیفہؓ کی شان معافی دیکھئے، صحابہؓ نے جب کہا کہ خدا کی قسم! ہم نے ان کو پہچانا نہیں تھا، انھوں نے وہی بات کہی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ (۶۳)

”اللہ تعالیٰ تم سب کو بخشے وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

حضور اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کا خون بہا بیت المال پر ڈالنا چاہا کہ یہ قتل خطا تھا، مگر حضرت حذیفہؓ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہ جانتے تھے کہ جو کچھ ہوا

افراتفری کے عالم میں ہوا، اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ میں اس پر دیت لوں، حضرت حذیفہؓ نے اپنا حق معاف کر دیا، اللہ پاک کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے ان سب سے جن سے اُحد کے دن غلطی ہوئی تھی اپنی گرفت اٹھالی اور سب کو معاف کر دیا۔(۶۵)

حضورﷺ کے بعد بھی ان کا یہ باہمی اخلاص وتعلق برقرار رہا اور براہِ راست صحابہؓ نے ایک دوسرے کے خلاف غلط الفاظ استعمال نہیں کیے اور نہ کبھی اپنی سطح سے نیچے اتر کر انتقامی کارروائیوں میں ملوث ہوئے۔

تاریخی روایات کے ذریعہ کسی صحابیؓ کو مطعون کرنا درست نہیں

جہاں تک ان تاریخی روایات کا تعلق ہے جن کے ذریعے بعض صحابہؓ کی شخصیات کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اولاً قرآن وحدیث کے نصوصِ قطعیہ اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ موقف کے مقابلے میں تاریخی روایات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ تاریخی روایات کے ضبط واندراج میں اس معیار کو نہیں اپنایا گیا جو احادیث کے جمع و تحقیق میں اختیار کیا گیا تھا، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ پر ابتدا سے لے کر بعد تک جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایک بھی مستند کتاب نہیں ہے۔ علامہ خالد محمودؒ نے اس تاریخی حقیقت کو بہت مدلل طور پر پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

تاریخ اسلام کی کوئی مستند کتاب موجود نہیں ہے

”اسلامی ذخیرۂ کتب میں تاریخ اسلام کی ایک بھی ایسی مستند کتاب نہ ملی جسے مستند تاریخ اسلام کہا جا سکے، ہاں ان ادوار میں بعض مؤرخین ایسے ضرور ہوئے ہیں جو اپنے علم، محنت، شخصیت اور جمع روایات میں مستند مانے گئے ہیں، لیکن انھوں نے بھی اپنی جملہ روایات کو کبھی مستند ہونے کی سند نہیں دی، مؤلفین کا مستند ہونا اور بات ہے اور ان کی جمیع

مرویات کا مستند ہونا اور بات ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب مسلمان اپنے عہد اول کی کوئی مستند تاریخ اسلام مرتب نہ کر پائے تو مسلمان بطور ایک قدیم قوم کے کیسے آگے چل سکیں گے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کے قیام میں کتاب وسنت کے پابند کیے گئے تھے، تاریخ کے نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے سفر آخرت سے پہلے امت کو نصیحت کی:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبيه۔ (٦٦)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم انھیں مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوسکتے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت''

سو دورِ اول کی کوئی مستند تاریخ اسلام نہ ملنے سے دین میں کوئی کمی نہیں آتی، نہ قیام نظام اسلامی میں اس سے کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے۔ مؤرخین میں:

حافظ محمد ابن سعدؒ،

علامہ طبریؒ (۳۰۱ھ)،

حافظ ابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ)،

حافظ ابن عساکرؒ (۵۷۱ھ)،

ابن اثیرؒ (۶۰۶ھ)،

ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) اور

علامہ ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ)

بے شک بلند پایا مؤرخین گذرے ہیں۔ لیکن ان کے مجموعہ ہائے تاریخ کو کبھی پوری طرح مستند نہیں مانا گیا، یہ حضرات اپنے راویوں سے کئی کئی طرح کی روایات لائے

ہیں اور ''دروغ بر گردنِ راوی'' کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے انھوں نے اہل کذب راویوں سے بچنے میں کوئی زیادہ احتیاط نہیں کی۔ بدمذہب اور جھوٹے راویوں کی جانچ پڑتال کیے بغیر انھیں اپنی کتابوں میں جگہ دیدی۔ اب ہم ان کی روایات کو قرآن وحدیث سے ملی معلومات اور اصولِ درایت پر پرکھے بغیر قبول نہ کرسکیں گے، انھیں یہ کہہ کر کبھی قبول نہ کیا جاسکے گا کہ یہ روایات تاریخ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کی کوئی کتاب بذاتِ خود مستند نہیں مانی گئی، ان سے تاریخی مواد تو ضرور ملتا ہے لیکن بلا دیکھ بھال اور راویوں کی پڑتال کیے بغیر ان سے مستند تاریخ ہمیں نہیں ملتی اور جو مؤلفین ان کتابوں کو تاریخ کی مستند کتابیں سمجھتے ہیں وہ ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کے طرزِ تالیف سے یکسر بے خبر ہیں۔ علماء امت نے دین کو ہمیشہ کتاب وسنت کے چشموں سے لیا ہے، عقائد کی ترتیب میں تاریخ کو کوئی اساسی حیثیت نہیں دی۔

دیکھئے! علامہ طبریؒ اپنی کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' میں غلط راویوں کی دی گئی روایات کی ذمہ داری سے اس طرح نکلتے ہیں:

فلیعلم انه لم یأت فی ذلك من قبلنا و انما اتیٰ من قبل بعض ناقلیه الینا۔ (٦٧)

''جان لیجئے! کہ ایسی باتیں اس میں ہماری طرف سے نہیں آئیں، یہ اس کے بعض راویوں سے ہم تک آئی ہیں۔''

علامہ طبریؒ نے واقدی جیسے مؤرخین سے جو روایات نقل کی ہیں ان کی ذمہ داری ''دروغ بر گردنِ راوی'' کے اصول پر واقدی پر آتی ہے، علامہ طبریؒ ان کی ذمہ داری لیتے تو انھیں واقدی کے نام سے روایت نہ کرتے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کے خلاف یورش کرنے والے باغی جب مصر سے مدینہ کی طرف چلے تو طبری نے ان کے کوائف واقدی کے حوالے سے

پیش کیے ہیں اور ان میں بھی مؤرخ طبری یہ بات کہہ گئے ہیں:

''واقدی نے مصریوں کی حضرت عثمانؓ کی طرف نکلنے کی بہت سی باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض کے ذکر سے میں نے اعراض کیا ہے، مجھے ان کی قباحت وشناعت کے سبب ان کے ذِکر کرنے سے گھن آتی ہے۔'' (٦٨)

جب طبریؒ کا یہ حال ہے تو دوسرے مؤرخین کا کیا حال ہوگا، جو روایتیں گھڑنے سے مطلقاً حیا نہیں کرتے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

ولا تسمعوا لمؤرخ کلاماً الا للطبری فانهم ینشؤن احادیث فیها استحقارة الصحابة والسلف والاستخفاف بهم۔ (٦٩)

''تم ان ابواب میں طبری کے علاوہ کسی مورخ کی کوئی بات نہ سنو، وہ ایسی حدیثیں خود گھڑتے ہیں جن سے صحابہؓ اور سلف صالحین کی تحقیر ہوتی ہے اور ان کے بارے میں استخفاف لازم آتا ہے۔''

قاضی صاحبؒ کی یہ وصیت آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے:

فاقبلوا الوصیة ولا تلتفتوا الا ماصح من الاخبار واجتنبوا اهل التواریخ۔ (٧٠)

''میری یہ وصیت پلے باندھو، ان روایات کی طرف ہرگز دھیان نہ کرو سوائے ان اخبارِ صحیحہ کے جو صحیح طور پر ہم تک پہنچیں اور ان اہل تاریخ سے پوری طرح بچو۔''

البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام زہریؒ کے شاگرد موسیٰ بن عقبہ جو امام مالکؒ کے استاد تھے، انھوں نے دوسروں کی نسبت صحت روایت کا کچھ التزام کیا ہے، لیکن افسوس کہ یہ کتاب شائع نہ ہوسکی، علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

''موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں، لیکن ایک مدت تک شائع و ذرائع رہی ہے اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔''(۷۱)

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۴ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) بھی تاریخ کے ان ذخیروں کو مستند تسلیم نہیں کرتے۔(چنانچہ) حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

المؤرخین الذین یکثرون الکذب فیما یروونه وقل ان یسلم نقلهم من الزیادة والنقصان۔(۷۲)

''مؤرخین جو اپنی مرویات میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ لاتے ہیں اور بہت کم ہیں کہ ان کی نقل زیادتی اور کمی سے بچی ہو۔''

وانما هو من جنس نقلة التواریخ التی لا یعتمد علیها اولوا الابصار۔(۷۳)

''اور یہ بات تاریخ نقل کرنے والے لوگوں کی روایت سے جن پر آنکھ والے بھروسہ نہیں کرتے۔''

اور حافظ ابن کثیرؒ کی رائے بھی ملاحظہ کرلیں، آپ لکھتے ہیں:

''بہت سے مؤرخین مثلاً ابن جریر وغیرہ نے مجہول راویوں سے ایسی خبریں ذِکر کی ہیں جو صحاح کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہیں، ان پر اعتماد کیا جائے یا انھیں رَد کیا جائے، اس پر آپ نے فیصلہ دیا ہے: فهی مردود علیٰ قائلها وناقلها واللہ اعلم۔(۷۴) یہ روایتیں اپنے غیر ثقہ دعویداروں اور راویوں پر رد کی جائیں گی (قبول نہ کی جائیں گی)۔''

تاریخ کی اس قسم کی روایتیں ہرگز قبول ہونے کے لائق نہیں، خصوصاً وہ جن کے

قبول کرنے سے کتاب وسنت کے بہت سے فیصلوں سے ٹکراؤ لازم آتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور مؤرخ مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں:

''سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑوں تصنیفیں موجود ہیں، لیکن سب کا سلسلہ جا کر تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انھیں کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق کہتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے۔ ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں، اس لیے ان روایتوں کا وہی مرتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے، طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمہ بن الابرش، ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں، اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں البتہ ان میں جو تحقیق وتنقید کے معیار پر اتر جائے وہ حجت و استناد کے قابل ہے۔

ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رُوات ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔'' (۷۵)

آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد جلد ہی واقع ہونے والے افتراق کی خبر دی تو ساتھ ہی فرمایا اس افتراق میں نجات کے لائق وہی ہونگے جو میرے اور صحابہؓ کی راہ پر ہوں (ماانا علیہ و اصحابی) اس سے واضح ہوا کہ اس دور میں ایسے رواۃ اخبار جن کی روایات

سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات کسی درجہ میں مجروح ہوتی ہوں کسی طرح لائق قبول نہ سمجھے جائیں۔سو ہدایت نبوی سے یہ ایک اصولی راہ مل گئی کہ اختلاف کے اس دور میں سلامتی اسی طرف رہنے میں ہے جس میں صحابہؓ کی عزت وناموس برقرار رہے اور جو روایات ان کی شخصیات کو مجروح کریں لائق رد سمجھی جائیں گی۔(۷۶)

صحابہؓ پر الزامات والی ایک روایت بھی واضح اور مستند نہیں!

اس قسم کی جتنی روایات بھی نقل کی جاتی ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں ایک بھی واضح نہیں یا یہ کہ پایۂ استناد کو نہیں پہنچتی۔(آئندہ صفحات میں) علامہ خالد محمود صاحبؒ کی تحریرات سے اس کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

---

(۱) حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سب وشتم کا حکم نہیں دیا!

کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سب وشتم کا حکم دیا تھا مگر یہ بات درست نہیں، بلاشبہ صحیح مسلم میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ایک گفتگو مذکور ہے، ان دونوں حضرات کی ملاقات غالباً مکہ میں ہوئی، حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ سے وجہ پوچھی کہ ''وہ حضرت علیؓ کے بارے میں خاموش کیوں ہیں اور میرے ساتھ کیوں نہیں ہوتے، خونِ عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر پائے، آپ انھیں برا بھی نہیں کہتے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟''

''سَبّ'' کا معنیٰ گالی دینا ہی نہیں برا بھلا کہنا اور لاتعلق ہونا بھی اس ذیل میں آتا ہے اور یہ لفظ عام ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ الوشتانی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

یحمل السب علی التغییر فی المذاھب والرای فیکون المعنیٰ مامنعک من ان تبین للناس خطائہ وان مانحن علیہ اسدوا صوب ومثل ھذا یسمیٰ سباً فی العرف۔(اکمال اکمال المعلم)

''یہاں لفظ''سَبّ'' اپنے موقف اور رائے کو بدلنے پر محمول کیا جائے گا، (گالی کے معنیٰ پر نہیں) پس اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے کہ لوگوں کے سامنے علیؓ کی خطا بیان نہ کریں اور یہ بات کہنے سے کہ جس بات پر ہم ہیں، وہ زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔
عرب کے عرف میں ایسے موقف کو بھی لفظ''سب'' سے ذکر کر دیتے ہیں (اور ظاہر ہے یہ گالی کا معنیٰ نہیں ہے)۔''

لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں ہے:

المعنی مامنعک ان تخطئہ فی اجتہادہ وتظھر للناس حسن اجتھادنا۔(۷۷)

''ان کا معنیٰ یہ لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے علیؓ کے خطافی الاجتہاد اور ہمارے صواب فی الاجتہاد کو لوگوں کے سامنے لانے سے روک رکھا ہے۔''

حاشیۃ السندھی میں بھی یہی بات ہے:

ای نال معاویۃ من علی ووقع فیہ وسبہ بل امر سعداً بالسب کما قیل فی مسلم والترمذی ومنشأ ذلک الامور الدنیویۃ التی کانت بینھما ولاحول ولا قوۃ الا باللہ واللہ یغفر لنا ویتجاوز عن سیئاتنا ومقتضی حسن الظن ان یحمل السب علی التخطئۃ ونحوھا مما یجوز بالنسبۃ الی اھل الاجتھاد لا اللعن وغیرہ۔ (۷۸)

پھر اس روایت میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کو 'سب' نہ کرنے کی وجہ پوچھی ہے کہ یہ ازراہِ تقویٰ وتورع ہے یا کسی خوف کے باعث ہے یا کوئی اور وجہ ہے، اگر تورع اور احتیاط ہے تو پھر صحیح ہے اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو بتلائیں میں اس کا جواب دے کر آپ کو مطمئن کروں گا۔

حضرت سعدؓ نے صاف صاف حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل ذکر کیے: فتح خیبر کا علمبردار ہونا، ہارونِ امت ہونا اور حدیث کساء میں اہل بیت میں آنا، ذکر فرمایا اور حضرت امیر معاویہؓ نے ان میں سے کسی کا مناقشہ نہیں کیا، آرام سے سنا، حضرت سعدؓ سے بالکل مرعوب نہیں ہوئے اور بات صاف صاف کہہ دی۔(۷۹)

(۲) حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کے ذریعہ حضرت امیر معاویہؓ کو مطعون کرنا درست نہیں!

اسی طرح حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت کے ذریعے حضرت امیر معاویہؓ کو مطعون کرنا درست نہیں، اس لیے کہ ان کا قتل کس کیا اور اس کا صحیح پتہ نہ چل سکا، معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ایک فتنۂ باغیہ نے قتل کیا تھا اور وہ کسی بڑے لشکر کے لوگ نہیں تھے، یہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھنے والے حضرت علیؓ کے گروہ میں گھسے ہوئے فتنہ پرور لوگ تھے، انھیں باغی حضرت عثمانؓ کی نسبت سے کہا جاتا رہا، نہ کہ اس سے حضرت علیؓ کی تردید مقصود تھی۔ یہ وہ حالات تھے کہ یہ قتل اب تک مخفی درجے میں ایک معمہ بنتا چلا آرہا ہے اور اس پر کئی متضاد باتیں سننے میں آتی ہیں۔

یاد رکھیے! کسی مختلف فیہ بات سے کسی دوسری مختلف فیہ بات کو ختم نہیں کیا جاسکتا، کسی قطعی بات سے ہی کسی اختلاف کو ختم کیا جاسکتا ہے۔(۸۰)

(۳) حضرت معاویہؓ پر حضرت امام حسنؓ کو زہر دینے کا الزام درست نہیں!

حضرت امیر معاویہؓ کے ذمہ یہ بات لگانا کہ آپ نے حضرت حسنؓ کو زہر دلوایا تھا، ایک بڑا بہتان اور کذب محض ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی ضرورت کیا پڑی تھی؟ حضرت حسینؓ تا حیاتِ امیر معاویہؓ زندہ رہے، انھوں نے امیر معاویہؓ کا کیا بگاڑا تھا جو حضرت امام حسنؓ اگر زندہ رہتے تو امیر معاویہؓ کو کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑتا، علم سے نابلد لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس میں حضرت معاویہؓ کی کیا ضرورت تھی، جو وہ اس کا ارتکاب کرتے، خلافت حضرت حسنؓ ان کو دے چکے تھے، دونوں بھائی امیر معاویہؓ سے بیعت ہو چکے تھے، ان کے وظائف لیتے رہے اور امیر معاویہؓ کی زندگی تک فدک کی آمدنی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی اولاد کو ملتی رہی، حضرت حسنؓ نے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو ایک کیا، سلطنت اسلام متحد ہوئی، اور پھر تا حیاتِ امیر معاویہؓ اور ان حضرات کے مابین کوئی دلخراش واقعہ پیش نہیں آیا۔

حضرت حسنؓ کی نمازِ جنازہ حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر مدینہ حضرت سعید بن العاص امویؓ نے پڑھائی، اور انھیں اس کے لیے حضرت حسینؓ نے آگے کیا۔ شہادتِ حسنؓ میں اگر کسی طرح امیر معاویہؓ ملوث ہوتے تو حضرت امام حسینؓ امیر معاویہؓ کے گورنر کو کبھی نمازِ جنازہ کے لیے آگے نہ کرتے، حضرت حسینؓ نے سعید بن العاصؓ کو آگے کرتے ہوئے فرمایا:

لولا السنة لما قدمتك ۔ (۸۱)

"اگر سنت طریقہ نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی آگے نہ کرتا (یعنی سنت یہ ہے کہ حاکم وقت امامت کرے)۔"

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الیٰ معاویه فی کل عام

فیعظمه ویکرمه۔ (۸۲)

''حضرت امام حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسینؓ ہر سال حضرت امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، امیر معاویہؓ آپ کا بہت اکرام فرماتے اور عطایا و تحائف دے کر رخصت کرتے تھے۔''

مشہور شیعہ مورخ احمد بن داؤد الدینوریؒ (۲۸۲ھ) لکھتا ہے:

ولم یرالحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منه سوء فی انفسهما ولا مکروهاً ولا قطع عنهما شیئاً مما کان شرط لهما ولا تغیر لهما عن بر۔ (۸۳)

''حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے پوری زندگی حضرت معاویہؓ سے اپنے حق میں کوئی بدخواہی نہیں دیکھی، نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا، نہ حضرت معاویہؓ نے ان دونوں کے ساتھ کسی معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نہ کسی نیکی میں دریغ کیا۔''

پہلے مؤرخین جیسے ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) وغیرہ میں سے کوئی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتا، حاکم (۴۰۵ھ) نے زہر دیے جانے کا واقعہ تو نقل کیا ہے مگر زہر دینے کے مجرمین کی کوئی نشاندہی نہیں کی ہے، سب سے پہلے ابن اثیر الجزریؒ (۶۲۰ھ) نے اس زہر دینے کی نسبت آپؓ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کی طرف کی ہے، اور پھر صیغۂ تمریض سے کہا ہے کہ کچھ لوگ اسے امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن اس پر ابن اثیرؒ نے کوئی صحیح روایت پیش نہیں کی اور نہ اس الزام کی کہیں توثیق کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۱۸ھ) لکھتے ہیں:

ان معاویۃ سم الحسن فهذا مما ذکره بعض الناس ولم یثبت ذلك

ببينة شرعية او اقرار معتبر ولا نقل يجزم به۔ (۸۴)

''حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو زہر دیا ہے، یہ وہ بات ہے جو بعض لوگوں نے ذکر کی ہے اور یہ بات کسی واضح شرعی دلیل یا اقرارِ معتبر سے ثابت نہیں، اس پر کوئی نقل نہیں ملتی، جس پر یقین کیا جا سکے۔''

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسینؓ نے حضرت حسنؓ سے ان کے آخری وقت میں پوچھا تھا کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ حضرت حسنؓ نے بتانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کو چھوڑ دیں، اس کا فیصلہ اللہ کے یہاں ہوگا۔'' (۸۵)

علامہ ابن خلدونؒ (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

وما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك۔ (۸۶)

''اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے آپ (حضرت حسنؓ) کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر زہر دلایا تھا، یہ شیعوں کی باتیں ہیں، حاشا وکلا حضرت امیر معاویہؓ نے ایسا کیا ہو۔''

البتہ یہ سوال کہ حضرت حسنؓ کی دشمنی کن لوگوں سے تھی، یہ ضرور غور طلب ہے، حضرت علیؓ کے ایک بیان سے اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے، حضرت حسنؓ نکاح بہت فرماتے تھے، اسی بنا پر آپ کو 'حسن مطلاق' کہا جانے لگا تھا، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

مازال الحسن يتزوج ويطلق حتى حسبت ان يكون عداوة فى القبائل۔ (۸۷)

''حضرت حسنؓ متواتر شادیاں کرتے رہے اور طلاقیں دیتے رہے، یہاں

تک مجھے خدشہ گذرا کہ اس اندازِ عمل سے کہیں قبائل میں عداوت کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔''

اس پس منظر میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ آپ کی کسی بیوی ہی کی سازش ہوگی

(۸۸) ایک اور بات جو اس حقیر (علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ) کے نزدیک زیادہ قرین قیاس ہے اور جس کی وجہ سے خود آپ کے حامیوں (شیعان) میں ایک طبقہ آپ کا دشمن ہوگیا تھا، وہ تھا حضرت معاویہؓ کو تفویض خلافت کا معاملہ، تفویض خلافت کے بعد حضرت معاویہؓ سے تعلقات کی استواری نے اس عداوت کو اور دوآتشہ کردیا تھا، اور غالبًا آپ کی شہادت کے پیچھے یہ زیادہ بڑا محرک ثابت ہوا، واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) حضرت امیر معاویہؓ پر محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کا الزام درست نہیں!

ایک الزام یہ کہ ''حضرت امیر معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرایا تھا اور حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کے غم میں امیر معاویہؓ سے قنوت فجر میں بدعا کرتی رہیں۔''

جواب: حضرت علی المرتضیٰؓ کے بھائی جعفر طیارؓ کی بیوہ اسماء بنت عمیسؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے نکاح کرلیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد یہ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں، محمد بن ابی بکرؓ انھیں کے بیٹے تھے جن کی پرورش حضرت علیؓ کے ہاں ہوئی۔ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف یورش (بغاوت) ہوئی تو حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھیوں میں تھے اور محمد بن ابی بکرؓ باغی نوجوانوں کے ہتھے چڑھ کر حضرت عثمانؓ پر حملہ آور ہوا، حضرت عثمانؓ نے کہا ''اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو تیرے اس کردار پر کیا کہتا؟'' اسے شرم آئی اور پیچھے ہٹ گیا۔ حضرت عائشہؓ بھی اس کردار سے اس کے خلاف تھیں۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ نے اسے مصر کا والی بنادیا، مصر کے پہلے گورنر عمرو

بن العاصؓ تھے۔حضرت عمرو بن العاصؓ، محمد بن ابی بکرؓ کے مقابلہ کے لیے معاویہ بن خدیج الکندی کو سپہ سالار مقرر کیا، اس جنگ میں محمد بن ابی بکرؓ کی وفات ہوئی، یہاں سے یہ بات چل نکلی کہ معاویہ بن خدیج الکندی نے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کیا ہے اور پھر نام کی مشابہت سے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی طرف بھی منسوب ہوگیا۔ نیز اس لحاظ سے بھی کہ مرکزی حاکم حضرت امیر معاویہؓ تھے، آپ کو موردِ الزام بنایا گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کی بددعا والی روایت ابومخنف لوط بن یحییٰ نے نقل کی ہے، اور یہ صاحب شیعہ تھے، ان کے شیخ الشیخ عن الشیخ من اہل المدینۃ کے نام سے مذکور ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کے راویوں اور رافضیوں کی روایت سے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف کوئی الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔طبری نے یہ روایت اسی شیعہ سے نقل کی ہے۔(۸۹)

(۵) حضرت معاویہؓ پر حضرت ابن عباسؓ کے تبصرہ والی روایت

مالک بن یحییٰ ہمدانیؒ کی روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے وتر کی نماز ایک رکعت پڑھی، کسی نے اس کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو دی، آپ نے فرمایا:

من این تری اخذھا الحمار۔

”تو کہاں سے دیکھ رہا تھا گدھے نے ایسا کیا ہے؟“

یہ روایت عمران بن حدیر، عکرمہ سے اور عکرمہ اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں، عمران بن حدیر سے عطا بن رباح (۱۱۷ھ) اور عثمان بن عمر اسے روایت کرتے ہیں، عثمان بن عمر کے طریق میں یہ اخذھا الحمار کے الفاظ موجود نہیں ہیں، اور اگر یہ بات ہو تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسا بے سمجھی کا کام حضرت معاویہؓ کیسے کر سکتے ہیں؟

ایک رکعت تو کوئی بیوقوف ہی پڑھے گا، تم نے کہاں سے دیکھ لیا کہ کوئی بیوقوف ایسا کر رہا ہے۔

اس کے اوپر کے راوی ابوعبداللہ عکرمہ فقہائے مکہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خارجی ذہن رکھتے تھے، اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ خارجی لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تینوں کے برابر کے دشمن ہیں۔ محدثین نے اگر عکرمہ کی اور روایات قبول کی ہیں تو ضروری نہیں کہ ہم ان کی وہ روایات جو ان حضرات کے مقام کو مشتبہ کریں وہ بھی قبول کرلیں، سو یہ الفاظ ''من این تری اخذها الحمار'' عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ کے تو ہو سکتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نہیں۔ (کیونکہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کے اچھے تعلقات تھے اور دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، محدث عبدالرزاق (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں:

ان کریباً مولی ابن عباس اخبره انه رای ابن عباس یصلی فی المقصورة مع معاویةؓ۔ (۹۰)

''کریب مولیٰ ابن عباس نے بتایا کہ اس نے حضرت ابن عباسؓ کو حضرت معاویہؓ کے ساتھ 'مقصورہ' (ایک مقام) میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

ایک موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں اعترافِ فضیلت کے طور پر فرمایا:

لیس احد منا اعلم من معاویة۔ (۹۱)

''ہم میں اس وقت معاویہؓ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔''

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت معاویہؓ کے بارے میں ایسے الفاظ (من این تری اخذها الحمار) ہرگز نہیں کہہ سکتے

تھے۔(۹۲)

(۶) حضرت معاویہؓ پر باطل طریقے سے مال کھانے اور قتل ناحق کا الزام!

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ کہتے:

''معاویہ ہمیں باطل طریقے سے مال کھانے اور لوگوں کو بیجا قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔''

جواب: حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ ایک دفعہ کعبہ کے سائے میں احادیث سنا رہے تھے، اور لوگ آپ کے گرد جمع تھے، آپ نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے حدیث کا ایک حصہ پڑھا:

ومن بايع اماماً فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه مااستطاع فان جاء احد ينازعه فاضربوا رقبة الآخرة۔(۹۳)

''اور جس نے کسی امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں دست وفا اور دل کا خلوص دیا، اسے چاہیے کہ اس کی پوری اطاعت کرے جہاں تک کر سکے، پھر اگر کوئی حکمراں اٹھے جو اس کے خلاف ہو تو تم اس دوسرے کی گردن ماردو۔''

یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں اختلافات زوروں پر تھا، عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیعت کیے ہوئے تھے، ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ پھر معاویہؓ کی ساری مہم اور ان کا اپنے لشکروں پر مال خرچ کرنا یہ سارا سلسلہ اکل اموال بالباطل اور بیجا قتل وقتال کے ذیل میں آتا ہے، ہم جب ایک امام کی بیعت کر چکے تو اب ہم دوسرے کی کیوں سنیں، یہ تو اس کی دعوت ہے کہ ہم اپنے آپ کو یونہی ضائع کریں اور فوجی اپنے وظیفے غلط لیتے رہیں۔عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ نے اسی ذہن سے حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) سے اس وقت جب وہ مذکورہ حدیث بیان کر چکے، کہا:

هذا ابن عمك معاوية يامرنا ان نأكل اموالنا بالباطل و نقتل انفسنا۔ (۹۴)

''یہ آپ کا چچا زاد بھائی ہمیں کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے اموال غلط طور پر کھاتے اور اپنی جانیں یونہی لڑاتے رہیں۔''

اب ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن کا اشارہ حضرت امیر معاویہؓ کے نظم مملکت اور مالی نظام کے غلط ہونے کی طرف نہ تھا، اس سیاسی اختلافات کی طرف تھا جو حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف اختیار کیے ہوئے تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل کے خلاف ایک اصولی آواز تھی، یہ مسئلہ صحابہؓ میں مجتہد فیہ تھا، اور دونوں طرف صحابہؓ موجود تھے۔ اب جن وجوہ سے ہم حضرت امیر معاویہؓ کو اس اجتہادی موقف کا حق دیتے ہیں اسی جہت سے ان کا اپنے لشکروں پر خرچ کرنا اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی دعوت دینا ''لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' اور ارشادِ خداوندی ''و لا تقتلوا انفسکم'' کے ظاہر سے نکل جاتا ہے، کیونکہ ان کے پاس اپنے موقف کی تائید میں بہت سی وجوہ ہیں جن کی بنا پر انھیں بطور مجتہد اجتہاد کا حق پہنچتا ہے، اس لیے مذکورہ الفاظ راوی حدیث کا اپنا خیال ہے، چنانچہ نوویؒ (شارح صحیح مسلم) لکھتے ہیں:

فاعتقه هذا القائل هذا الوصف فی معاوية لمنازعته علياً۔ (۹۵)

''اس کہنے والے کے ذہن میں معاویہؓ کے بارے میں یہ بات تھی، بایں وجہ کہ وہ حضرت علیؓ سے لڑ رہے تھے۔''

یہ عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ صحابی نہیں، انھوں نے جو بات کہی یہ ان کے اپنے سیاسی احساسات ہیں، ان کی کبھی ملاقات حضرت امیر معاویہؓ سے ہوئی ہو اور انھوں نے انھیں یہ اکل اموال بالباطل کی ترغیب دی ہو یہ کہیں ثابت نہیں۔ اب محض اتنی وجدانی

بات سے ایک جلیل القدر صحابی کی دیانت کو مجروح کرنا انصاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس آخری حصے کے نقل کرنے پر سب محدثین متفق نہیں ہیں۔ امام نسائیؒ نے پوری حدیث بیان کی ہے اور عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس گفتگو کو نقل نہیں کیا، اور حدیث بیان کر کے لکھ دیا ہے، الحدیث متصل (۹۶) یہ اشارہ ہے کہ اس کے آگے حدیث کا کوئی جزو نہیں، سنن ابن ماجہ میں بھی یہ ٹکڑا نہیں ملتا (۹۷)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رواۃ میں کوئی ایسا راوی ہے جو کبھی اسے روایت کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ عبدالرحمٰن سے نیچے اس کا راوی زید بن وھب کُوفی ہے، علماء نے اسے ثقہ بھی لکھا ہے لیکن یہ بھی تصریح کی ہے:

فی حدیثہ خلل کثیر۔ (۹۸)

"اس کی روایت میں بہت خلل واقع ہوئے ہیں۔"

اب اس کی روایت سے حضرت معاویہؓ کی دیانت پر جرح کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور پھر جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی حکومت کو صحت خلافت کی سند دے دی تو پھر کیا یہ صورت باقی رہی جس کی عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ خبر دے رہے ہیں، اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "العبرۃ بالخواتیم۔" صحیح نہیں ہے؟ (۹۹)

غرض اس ضمن میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں سب کا یہی حال ہے، یا تو وہ مستند نہیں ہیں یا ان میں تاویل کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

﴿حواشی﴾

(۱) التوبۃ:۱۰۰۔
(۲) الفتح:۲۶۔
(۳) ترجمان القرآن، جلد۲، ص:۱۴۳، مولانا ابوالکلام آزادؒ۔
(۴) جامع الاصول فی احادیث الرسول، جلد۱، ص:۲۹۲، حدیث نمبر۸۰۔
(۵) الکفایۃ فی علوم الروایۃ للخطیب، ص:۲۶۔
(۶) عبقات، ص:۲۷ تا ۳۰۔ مؤلفہ: حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور
(۷) الموطا، حدیث نمبر:۱۱۶۵۔
(۸) خلفاءراشدینؓ، جلد۲، ص:۴۸۶، مؤلفہ: علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔
(۹) الحدید:۱۰۔
(۱۰) عبقات، ص:۳۸۔ مؤلفہ: حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔
(۱۱) الجامع الصحیح سنن الترمذی، جلد۵، ص:۶۹۶، حدیث نمبر:۳۸۶۲۔
(۱۲) معیارِ صحابیت، ص:۲۲۸ تا ۲۳۷۔ تالیف: ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ، محمود پبلی کیشنز لاہور
(۱۳) عینی علی البخاری، جلد۲، ص:۱۰۵۔
(۱۴) کتاب التمہید، جلد۴، ص:۲۶۴۔
(۱۵) الکفایۃ، ص۴۶۔
(۱۶) تفسیر ابن کثیر، جلد۴، ص:۵۵۶۔
(۱۷) الاعتصام للشاطبی، ص:۵۴۔
(۱۸) عبقات، ص:۲۷ تا ۳۰۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔
(۱۹) معیارِ صحابیت، ص:۲۱-۲۲۔ ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ، محمود پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۸ء۔

(۲۰) اُسد الغابۃ، جلد ا، ص:۲۔

(۲۱) عبقات، ص:۳۳۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۲۲) تجلیاتِ آفتاب، جلد ا، ص:۱۷۶، ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ محمود پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء۔

(۲۳) الحجرات:۹-۱۰۔

(۲۴) عبقات، ص:۲۷ تا ۳۰۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور، بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ، الانصاف لرفع الاختلاف، ص:۱۰۔

(۲۵) الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، جلد ۳، ص:۱۱۳، حدیث نمبر:۶۵۰۸۔

(۲۶) نہج البلاغۃ، جلد ۳، ص:۱۲۶۔

(۲۷) تجلیاتِ آفتاب، جلد ا، ص:۴۴-۴۵، ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ محمود پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء۔

(۲۸) تاریخ ابن خلدون، ص:۱۷۱۔

(۲۹) خلفاء راشدینؓ، جلد ۲، ص:۵۴۱، ۵۴۲۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۳۰) شرح العقائد، ص:۱۲۲۔

(۳۱) عبقات، ص:۵۴۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۳۲) الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۶، ص:۳۶۱۔

(۳۳) غنیۃ الطالبین، ص:۱۴۰۔

(۳۴) الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۶، ص:۳۲۲۔

(۳۵) فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد:۱۳، ص:۳۴۔

(۳۶) سنن البیہقی الکبریٰ، جلد:۸، ص:۱۷۴۔

(۳۷) عبقات، ص:۴۷۲ تا ۴۷۵۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۳۸) الطبقات الکبریٰ، جلد:۵، ص:۳۸۲

(۳۹) عبقات، ص:۴۷۲۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۴۰) شرح مواقف، جلد ا، ص ۴۴۵۔

(۴۱) العقیدۃ الطحاویۃ بحوالہ خلفائے راشدینؓ۔

(۴۲) الاستیعاب، جلد ا، ص ۲،۷۔

(۴۳) الاستیعاب، جلد ا، ص ۷۔

(۴۴) ابن عساکر، ص ۱۶۰، ۱۶۱۔

(۴۵) شرح عقائد نسفی، مرقاۃ جلد ۵، ص ۵۱۷۔

(۴۶) الاصابۃ، جلد ا، ص ۱۱۔

(۴۷) المسائرۃ، ص ۱۳۰۔

(۴۸) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، جلد ۲، ص ۱۵۶۔

(۴۹) خلفاء راشدینؓ، جلد ۲، ص: ۴۸۷ تا ۴۹۷، علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۵۰) النبراس بحوالہ خلفاء راشدینؓ، جلد ۲، ص: ۴۹۱۔

(۵۱) تفسیر القرآن العظیم، جلد ۷، ص ۳۶۲۔

(۵۲) الاصابۃ، ص ۱۱۔

(۵۳) خلفاء راشدینؓ، جلد ۲، ص: ۴۸۷ تا ۴۹۷، علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۵۴) الجامع الصحیح المختصر ،المؤلف:محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی ۔

(۵۵) شرح النووی علی صحیح مسلم (مؤلف کتاب علامہ خالد محمودؒ نے حافظ ابن کثیرؒ (٦٧٦ھ) لکھا ہے لیکن غالباً یہ سہو کاتب ہے، مجھے ابن کثیر کی کسی شرح مسلم کا پتہ نہ چل سکا۔اختر امام عادل قاسمی)

(۵۶) نہج البلاغۃ، جلد ۲، ص ۹۸۔

(۵۷) عبقات، ص: ۵۴۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۵۸) تجلیات آفتاب، جلد ا، ص ۱۷۶، ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ محمود پبلی کیشنز لاہور۔

(۵۹) الاصابۃ، جلد ۲، ص ۵۰۲۔

(۶۰) شرح عقیدہ طحاویہ، ص ۴۴۱۔

(۶۱) عبقات، ص ۲۷۴۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۶۲) تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۲۶۔

(۶۳) یوسف:۹۲۔

(۶۴) فتح الباری، جلد ۷، ص ۷۹،۲۔

(۶۵) تجلیاتِ آفتاب، جلد ۱، ص ۲۰۰، ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، محمود پبلی کیشنز لاہور۔

(۶۶) موطا امام مالک، ص ۳۶۳۔

(۶۷) تاریخ الرسل والملوک، جلد ۱، ص ۳۔

(۶۸) تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۳۹۱۔

(۶۹) العواصم، ص ۲۴۷۔

(۷۰) العواصم، ص ۲۴۵۔

(۷۱) سیرت النبی ﷺ، جلد ۱، ص ۲۳۔

(۷۲) منہاج السنۃ، جلد ۳، ص ۱۹۶۔

(۷۳) منہاج السنۃ، جلد ۳، ص ۲۴۲۔

(۷۴) البدایۃ والنہایۃ، جلد ۷، ص ۱۷۴۔

(۷۵) سیرت النبی ﷺ، جلد ۱، ص ۴۸-۴۹۔

(۷۶) خلفاء راشدینؓ، جلد ۲، ص: ۳۴۰ تا ۳۴۸، علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دار المعارف لاہور۔

(۷۷) مجمع البحار، جلد ۲، ص ۸۳۔

(۷۸) حاشیۃ السندی علیٰ سنن ابن ماجہ، جلد ۱، ص ۱۰۸، حدیث نمبر ۱۱۸۔

(۷۹) معیارِ صحابیت، ص: ۱۷۴-۱۷۵، علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ۔

(۸۰) تجلیاتِ آفتاب، جلد ۱، ص ۲۸۰-۲۸۱، ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، محمود پبلی کیشنز لاہور۔

(۸۱) اُسد الغابۃ، جلد ۲، ص ۱۵۔

(۸۲) البدایۃ والنہایۃ، جلد ۳، ص ۱۵۰، تاریخ ابن عساکر، جلد ۴، ص ۳۱۱۔

(۸۳) الاخبار الطّوال، ص ۲۲۵۔

(۸۴) منہاج السنۃ، جلد ۲، ص ۲۲۵۔

(۸۵) البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸، ص ۴۳۔

(٨٦) تاریخ ابن خلدون، جلد۲، ص۱۲۹۔

(٨٧) المصنف ابن ابی شیبۃ، جلد۵، ص۳۵۴۔

(٨٨) عبقات، ص۳۹۰-۳۹۱، ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔

(٨٩) عبقات، ص۳۹۱- ۳۹۲ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔

(٩٠) المصنف، جلد۲، ص۴۱۴۔

(٩١) السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد۲، ص٢٦۔

(٩٢) عبقات، ص۳۹۴، ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔

(٩٣) سنن نسائی، جلد۲، ص۱۲۵۔

(٩٤) صحیح مسلم، جلد۲، ص١٢٦۔

(٩٥) شرح النووی، جلد۲، ص١٢٦۔

(٩٦) سنن نسائی، جلد۲، ١٦٥۔

(٩٧) سنن ابن ماجہ، ص۲۹۳۔

(٩٨) تھذیب التھذیب، جلد۳، ص۴۲۷۔

(٩٩) عبقات، ص۱۴۴-۴۱۵۔ ڈاکٹر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، ناشر: دارالمعارف لاہور۔